OPEN ACCESS
Al-Qamar
ISSN (Online): 2664-4398
ISSN (Print): 2664-438X
www.alqamarjournal.com

عدل اجتماعی اور عدالتی نظام کے نقائص: ایک تحقیقی مطالعہ

Social Justice and Juducial System's Defects: A Research Study

Dr. Sumbal Ashraf
Assistant Professor, Lahore College Women University, Lahore
Dr. Zahida Shabnum
Associate Professor, Lahore College Women University, Lahore

Abstract

It is an undeniable fact that Islam is a religion of justice. Undoubtedly, Justice and Islam are not two separate things. With regard to some aspects, the true nature of Islam is justice. The distinguished concepts of religion as presented by the Qur'an and Sunnah are most clearly perceived in the context of justice. Justice is not just the eternal basis of life in Islam, but from every angle of thought, it is prevalent in all walks of life. On the contrary, the study of the Qur'an reveals the fact that the laws of nature and humanity in both the constitutive and the transcendent systems, which holds an eternal position, which belongs to Allah SWT. As if, Justice is the basic human value and universal integrity on which is the whole factory of the world spread from heaven to earth operates but if it is finished, the whole system If the world would be ruined. The ideology of social justice in Islam is that it is not only limited to the Muslim Ummah. Rather, whether it be a friend or an enemy, a balanced judicial system benefits them. People should establish an ideal justice system for a peaceful and calm society.

Keywords: Judicial Defects, Reasons of Failures, Impartial Justice, Uncertainty & Insecurity, Framework of True Justice

تمہید

اسلامی نظام معاشرت میں نظام حیات کے تمام شعبوں میں عدل اجتماعی کا اطلاق نہایت ضروری ہے اس کے اطلاق سے ہی معاشرہ فلاح و ترقی کی راہ پر گامزن ہوتا ہے۔ہم اس بات کا جائزہ لیں گے کہ اگر نظام معاشرت کے عدالتی نظام میں عدل اجتماعی کا فقدان ہو تو پھر کیا نتائج بر آمد ہوں گے۔ حکومت کا تیسرا اہم صیغہ عدلیہ (قضاء)(Judiciary) ہے۔ کوئی بھی قوم خواہ تہذیب و تمدن کے کسی درجے میں ہی کیوں نہ ہو عدلیہ سے کبھی بے نیاز نہیں ہو سکتی اور اسے اس شعبہ کا احترام بہر حال کرنا ہی پڑتا ہے آج تک کوئی قوم ایسی نہیں گزری جس نے ابتری اور انتشار کو اپنے لئے عدل اجتماعی سارے سماجی نظام پر حاوی ہے جس کے ذریعے معاشرے کے تمام عناصر، روزگار، دولت کی مساویانہ تقسیم، استحکام، سیاسی حقوق، تعلیم کے مواقع، صحت کی سہولیات وغیرہ کے حصول کے یکساں مواقع میسر ہوتے ہیں اور معاشرہ بلا تفریق مذہب، نسل، ملت، ہر تعصب سے بالاتر ہو کر ایک مہذب زندگی کی عکاسی کرتا ہے۔مایہ نازیا باعث افتخار سمجھا ہو۔اختلافات اور تنازعات انسانی طبائع کا لازمی جزو ہیں اگر کوئی ایسی قوت کا فرمانہ ہو جو طاقتور لوگوں کو کمزوروں کا حق دبانے سے محفوظ رکھ سکے تو اس کا نتیجہ یقیناً معاشرتی بگاڑ اور بد نظمی کی صورت میں نکلے گا اس طرح بڑھتے بڑھتے یہ فتنہ و فساد قومی زندگی کے ہر عضو میں سرایت کر جائے گا۔ارشاد باری تعالیٰ ہے: {ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانَت تَّأْتِيهِمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَكَفَرُوا فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ إِنَّهُ قَوِيٌّ شَدِيدُ الْعِقَابِ}[1]"ان کا یہ انجام اس لئے ہوا کہ ان کے پاس ان کے رسول بینات لے کے آئے اور انہوں نے ماننے سے انکار کر دیا آخر کار اللہ تعالیٰ نے ان کو پکڑ لیا یقیناوہ بہت قوت والا اور سزا دینے میں بہت سخت ہے" عدالتی نظام اور اس کے ڈھانچے میں ان وجوہات کا ذکر کیا جارہاہے جو عدالتی نظام کو کافی حد تک ناکارہ بنارہی ہیں پھر اس کی ناکامی کے معاشرے پر کیا اثرات مرتب ہورہے ہیں اور ان نقائص کو کیسے دور کیا جاسکتاہے۔

ناکامی کی وجوہات

1 ساختی خرابی

برصغیر پاک وہند میں ایک لمبے عرصہ تک برطانوی راج قائم رہا پھر 1947ء میں اللہ تعالیٰ نے یہاں کے مسلمانوں کو ان کی اپنی الگ ریاست پاکستان کی صورت میں عطا کی۔تو بعد میں اصولی طور پر تو اس ریاست کے تمام ادارے شعبے اور محکمے اسلامی نظام کے مطابق استوار ہونے چاہیئے تھے جن کا نظم و نسق قرآن و سنت کے مطابق چلایا جاتا جس کے نتیجے میں اسلامی فلاحی ریاست کا وجود قیام میں آتا۔مگر بد قسمتی سے ہمارے ملک میں اس کام کی بنیاد عملی طور پر نار کھی گئی اور ان اداروں نے اسی طرز پہ کام کرنا شروع کر دیا جس پہ برطانوی راج میں کیا کرتے تھے۔یہی حال عدالتی نظام کا بھی رہا اس کا بنیادی ڈھانچہ اور تشکیل انہی خطوط پہ قائم رہی جن پر برطانوی دور میں تھی اور اس تشکیل میں جو کمیاں اور کجیاں تھیں وہ بھی اپنی جگہ پہ قائم رہیں۔گو کہ بعد ازاں قانون سازی تو کی گئی جو کہ مختلف مراحل سے گزرتے ہوئے 1973ء کے متفقہ آئین کی صورت میں انجام پائی جس میں صاف طور پہ لکھا گیا کہ اقتدار اعلیٰ صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے اور ملک میں قرآن و سنت کے خلاف کوئی بھی قانون پاس نہیں کیا جائے گا اس طرح بنیادی اصول تو طے ہو گیا مگر عدالتوں کے کام کرنے کا جو طرز اور انداز تھا وہ پہلے جیسا ہی رہا۔[2]

2 قاضی کی اہلیت

جج (قاضی) عدلیہ کا ستون ہے اور عدلیہ کی کارکردگی کا کافی حد تک انحصار اسی ستون پر ہے منصب عدالت کا تقاضا ہے کہ جج بننے کا وہی اہل ہے جو ریاست کے تمام اسلامی قوانین اور دوسرے جاری شدہ قوانین سے واقف ہو اور استنباط مسائل کی اہلیت رکھتا ہو اس کے ساتھ اپنے اعمال و کردار کے لحاظ سے بھی اچھی شہرت کا مالک ہو ارشاد الٰہی ہے: {إِنَّ اللّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤدُّواْ الأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُواْ بِالْعَدْلِ إِنَّ اللّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُم بِهِ إِنَّ اللّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا}[3]"اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں اُن کے حوالے کر دیا کرو اور جب لوگوں میں فیصلہ کرنے

لگو تو انصاف سے فیصلہ کیا کرو اللہ تعالیٰ تمہیں بہت خوب نصیحت کرتا ہے بیشک اللہ سنتا اور دیکھتا ہے" مگر بدقسمتی سے ہمارے ہاں قاضی کی تعلیم و تدریس سے لے کر اس کی تقرری تک کا عمل انگریزی نصاب و قوانین پر منحصر ہے گو کہ اس میں کسی حد تک اسلامی اصول و ضوابط کی آمیزش تو ہے مگر بنیادی ڈھانچہ وہی ہے جو کہ اسلامی عدالتی نظام کے نفاذ کی راہ میں حائل ایک بڑی رکاوٹ ہے۔ دور اسلام کے سب سے پہلے قاضی تو خود حضور نبی کریم ﷺ تھے اور ان سے بڑا منصف اور کون ہو سکتا ہے ان کے بعد ان کے ہاتھوں تربیت یافتہ خلفائے راشدین کے ادوار میں بھی اس عہدے پر اہل افراد کا تقرر ہوتا رہا تب ہر علاقے میں ایک قاضی ہوتا تھا اور انصاف کی فراہمی میں اپنا کردار ادا کرتا تھا۔ آج انتظامی طور پہ جج حضرات کی مختلف درجہ بندی ہے۔ جس میں سب سے پہلے تحصیلدار، مجسٹریٹ، سول جج، ایڈیشنل سیشن جج، سیشن جج، ہائی کورٹ کے اور سپریم کورٹ کے ججز فعال ہیں۔ ان کے علاوہ اور عدالتیں بھی ہیں جن میں وفاقی شرعی عدالتیں، احتساب کی عدالتیں، ایف. آئی. اے کی عدالت وغیرہ وہاں بھی ججز تعینات ہیں۔ بہر حال انتظامی طور پہ یہ تقسیم بہتر معلوم ہوتی ہے مگر دور خلافت میں ایک قاضی ہوا کرتا تھا اور اسی کا فیصلہ حرفِ آخر ہوا کرتا تھا اس سے لوگوں کو انصاف کی خاطر دیر تک انتظار نہیں کرنا پڑتا تھا۔

3 محکوم عدلیہ

اسلام میں ایک مکمل طور پہ آزاد اور خود مختار عدلیہ کا وجود ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے قانون کو مکمل آزادی کے ساتھ نافذ کرتی ہے اور اسی کے مطابق ہر انسان کو انصاف فراہم کرتی ہے۔ اسلامی نظام حیات کا بنیادی تخصص عدل اجتماعی اس بات کا متقاضی ہے کہ یہ انصاف کی فراہمی بلا تفریق ہو سب انصاف کے کٹہرے میں برابر ہیں خواہ کوئی بادشاہ وقت ہو یا کوئی عام آدمی ہو۔ مگر ہمارے ہاں عدالتوں کو اپنے فرائض کی ادائیگی میں مکمل آزادی نصیب نہیں ہوئی عدلیہ ہمیشہ حکومتی اثر میں رہی اور یہاں بات اعلیٰ عدلیہ کی ہو رہی ہے یعنی ہماری ہائی کورٹس اور سپریم کورٹ گو کہ مکمل طور پہ تو نہیں مگر بہت سے اہم امور میں حکومت وقت کی ایماء پہ فیصلے دیتی رہی ہیں۔ اور ان میں سے کچھ فیصلے تو اس قدر شرمناک تھے جو ہماری تاریخ کا تاریک باب ہیں مثلاً فوجی آمروں کو کھلی چھوٹ دے دینا کہ ایک فرد واحد جس طرح چاہے قانون کا حلیہ بگاڑ دے اور ہمارے ایٹمی پروگرام کے بانی ذوالفقار علی بھٹو کا عدالتی قتل بھی اس تاریک باب کا حصہ ہے۔ جس کے باعث نہ تو عوام میں عدالتوں کا احترام رہا اور نہ ہی ان پہ اعتماد باقی رہا تاہم ہر دور میں جو آزاد اور باضمیر منصف تھے انھوں نے اپنے فرائض ہر حال میں نبھائے اس طرح کے حکومتی ایماء پہ طے شدہ فیصلے جب بھی دیئے جاتے رہے تو یہ آزاد جج ان کا حصہ نہیں بنے اور اپنا اختلافی نوٹ لکھتے رہے اس کے علاوہ جب جب ملک میں فوجی شب خون مارا جاتا رہا تو آزاد ججز نے اپنے عہدوں کو قربان کیا اور تمام تر مراعات کو قربان کیا مگر انصاف کا خون کرنے میں حصہ دار نہیں بنے۔ جیسا کی آخری مارشل لاء میں فوجی ڈکٹیٹر پرویز مشرف کے سامنے کچھ ججز نے کلمہ حق کہتے ہوئے اس کی بات ماننے سے انکار کیا جن میں جسٹس وجیہہ الدین احمد اور جسٹس سعید الزمان صدیقی جیسے ججز شامل ہیں۔ پھر پاکستان کی تاریخ میں ایک تاریخی موڑ آیا جب 9 مارچ 2007ء کو ملک میں عدلیہ کی آزادی کی تحریک شروع ہوئی جس سے ایک نئے دور کا آغاز ہوا اور اس تحریک کی کامیابی سے ہمارے وطن کو آزاد عدلیہ کا وجود نصیب ہوا اور یہ عدلیہ انصاف کی فراہمی کے لئے کوشاں ہے۔ بہر حال ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے۔

4 مالی بدعنوانی یا کرپشن

چونکہ یہ دور مادیت پرستی کا ہے حتیٰ کہ عدلیہ کو بھی اس نے اپنی لپیٹ میں لے لیا اسی وجہ سے ججز تک کرپشن میں ملوث ہو جاتے ہیں اور چھوٹی عدالتوں سے لے کر بڑی عدالتوں تک ججز اس کرپشن میں ملوث ہیں۔ ذاتی مفادات اور طاقتور اداروں کے خوف و دباؤ اور حکومتوں کے اثرات جانبدارانہ فیصلوں کا باعث بنتے ہیں۔ ہمارے عدالتی نظام میں کرپشن بھی ایک ایسا عنصر ہے جو اس

نظام کی ناکامیابی کا باعث ہے یہ کرپشن تحصیلدار کی سطح سے لے کر اُوپری سطح تک جاتی ہے۔ اعلیٰ سطح پر تو اب بہت زیادہ بہتری آئی ہے مگر نیچے کی سطح پر خاطر خواہ بہتری نہیں آئی اور یہاں امراء اور بااثر افراد رشوت دے کے اپنے حق میں فیصلے کرا لیتے ہیں بلکہ کچھ عرصہ پہلے تک تو ہمارے ہاں ایک جملہ عام ہو گیا تھا کہ "وکیل کرنے کی کیا ضرورت ہے جج کر لو" یعنی جج کو رشوت دے کر اپنے حق میں مقدمے کا رخ پھیرنا کس قدر آسان ہو گیا تھا جو کہ سرعام انصاف کا خون ہونے کی دلیل ہے۔

5 پیچیدہ عدالتی نظام

ہمارا عدالتی نظام بہت سی پیچیدگیوں پر مشتمل ہے جن سے مجرمان کو بہت سی آسانیاں مل جاتی ہیں تبھی تو وہ جرائم کر کے بھی معاشرے میں دندناتے پھرتے ہیں اس نظام میں بہت سی غیر ضروری قانونی موشگافیاں ہیں جو انصاف کی ترسیل کو ناممکن نہیں تو مشکل ضرور بنا دیتی ہیں۔ مزید یہ کہ اس نظام میں انصاف کا حصول بہت دیر سے میسر آتا ہے لوگوں کو سال ہا سال تک انصاف کے حصول کے لئے انتظار کرنا پڑتا ہے اور حد تو یہ ہے کہ دیوانی مقدمات میں یہ انتظار سالوں تک نہیں بلکہ نسلوں تک محیط ہو جاتا ہے جو مقدمات زمین، جائیداد کے ہوتے ہیں ان میں تو نسل در نسل مقدمات چلتے رہتے ہیں اور لوگوں کو عدالت سے انصاف کی بجائے تاریخ پہ تاریخ ملتی جاتی ہے جو کہ انصاف کو بالکل بے معنی کر دیتا ہے۔ اور یہ انصاف بہت مہنگا ہوتا ہے وکیلوں کی فیس، عدالتوں کے چکر اور باقی کاروائی میں بے تحاشہ پیسہ خرچ ہو جاتا ہے جو کہ ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہے اور امراء یہاں بھی پیسے کی طاقت کی بنا پر کمزور کو دبانے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ حالانکہ جو مقدمات تفتیش سے ہی بالکل واضح ہو جاتے ہیں وہاں تو وکلاء کا کوئی کردار ہی نہیں ہونا چاہیئے مگر یہ تبھی ممکن ہے کہ عدالتی نظام شرعی قوانین کے تحت فعال ہو۔

6 جانبدارانہ انصاف

عدل و انصاف کی اصل روح تو یہی ہے کہ بلا تفریق تمام انسانوں کو انصاف کی فراہمی یقینی بنائی جائے مگر ہمارے عدالتی نظام میں یہ بات صد فی صد نظر نہیں آتی بلکہ حقیقت حال تو یہ ہے کہ جو جتنا بااثر ہے اسے اتنا بڑا جرم کرنے کی اجازت ہے کیونکہ اسے کوئی پکڑنے والا نہیں اور دوسری طرف عام آدمی ایک معمولی سا بھی جرم کر لے تو سزا کے ساتھ ساتھ ہتک آمیز رویہ بھی بھگتنا ہے۔ اسلامی تصور انصاف میں تو خلیفہ وقت اور عام آدمی کے درمیان بھی انصاف کے کٹہرے میں کسی تفریق کی کوئی اجازت نہیں ہے سیّدنا عمر فاروق اعظمؓ ہوں یا سیّدنا علی مرتضیٰؓ ہوں خلیفہ وقت ہوتے ہوئے بھی عدالت میں پیش ہوئے تھے اور حضرت علیؓ کے مقدمے میں تو گواہ پورے نہ ہونے کے باعث عدالت نے فیصلہ ان کے مخالف دے دیا تھا۔ جبکہ آج ہمارے موجودہ قانون میں اعلیٰ عہدوں پہ فائز حکمرانوں کے لئے "استثناء" جیسی اصطلاحات شامل کر دی گئیں ہیں مثلاً N.R.O جیسے بدنام زمانہ کیس میں سابقہ صدر پاکستان آصف علی زرداری کو عدالت طلب نہیں کر سکی اور نہ ہی اس کیس میں دیئے گئے فیصلے پہ عمل کرایا جا سکا کیونکہ حکومتی مشینری نے عدالت کے فیصلے کا احترام نہیں کیا۔

7 عدم تحفظ

ہمارے ہاں جرائم پیشہ افراد، دہشت گرد افراد اور کچھ دہشتگرد سیاسی تنظیمیں اتنی بااختیار ہو گئیں ہیں کہ وہ عدالتوں کو مکمل آزادی سے ان کے فرائض ادا کرنے نہیں دیتیں وہ پولیس، گواہان حتیٰ کہ ججز تک کو باقاعدہ دھمکیاں دیتے ہیں اور ضرورت پڑنے پہ ان دھمکیوں کو عملی جامہ پہنانے میں بھی کچھ دیر نہیں کرتے۔ جو پولیس افسران اور ججز اپنا کام ایمانداری سے سرانجام دینے کی کوشش کرتے ہیں ان کا تحفظ غیر یقینی ہو جاتا ہے کیونکہ ہمارا نظام اس قدر کھوکھلا ہو چکا ہے کہ ان کو تحفظ تک فراہم نہیں کر پاتا ہماری تاریخ اس قسم کے سنگین واقعات کی گواہ ہے۔ بے نظیر بھٹو کے دوسرے دور اقتدار میں جب کراچی کے حالات انتہائی ناگفتہ بہ ہو گئے تھے تو حکومت نے سنجیدہ نوعیت کے فیصلے کیئے اور پولیس کو سخت ہدایات دیں کی شہر کے امن و

امان کو یقینی بنایا جائے تو پولیس نے ڈی. آئی. جی شعیب سڈل کی سربراہی میں دن رات کام کیا اور دہشتگردوں کو ان کے انجام تک پہنچایا اور شہر کے امن کو بحال کیا۔ مگر المیہ تو یہ ہے کہ بعد میں حکومت کے بدلنے سے پولیس کی اس ٹیم میں شامل تقریباً سو اہلکاروں کو چن چن کر موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ اور یہی حالات آج تک جاری ہیں گواہان تو ایک طرف ججز تک کو باقاعدہ دھمکایا جاتا ہے اور اس بات کا اعتراف تو خود اس وقت کے وزیر اعظم میاں محمد نواز شریف نے 19 اگست 2013ء کو قوم سے خطاب کرتے ہوئے کیا تھا انہوں نے کہا کہ دہشتگرد اس قدر مضبوط ہو گئے ہیں کہ ججز ان پہ دائر مقدمات کی سماعت شروع کریں تو ان کو دھمکی آمیز فون کالز موصول ہوتی ہیں اور وہ ملک چھوڑ کر چلے جانے پہ مجبور ہو جاتے ہیں۔ تو ایسی حالت میں گواہان کا اپنی جگہ پہ قائم رہنے کا سوال ہی نہیں اٹھتا اس سے زیادہ نظام کی ناکامی اور کیا ہو سکتی ہے عدم تحفظ کی اس حالت نے بھی عدالتی نظام کو غیر فعال بنا دیا ہے۔

8 جدید ٹیکنالوجی کی کمی

تحفظ فراہم کرنے والے اداروں کا کام ہی لوگوں کو تحفظ فراہم کرنا ہے مگر وہ اس فرض کی ادائیگی میں ناکام ہیں جسکے اثرات پورے معاشرے میں بدامنی، خوف، اور عدم تحفظ کی صورت میں نظر آ رہے ہیں۔ جہاں تک عدالتی نظام کا تعلق ہے تو اس کے ساتھ بہت سے شعبے وابستہ ہیں یعنی عدالتی ڈھانچہ تو اپنی جگہ الگ ہے مگر یہ جو شعبے ہیں ان سے گزر کر ہی معاملات عدالت تک آتے ہیں اور جج حضرات شواہد، حالات، واقعات، گواہوں وغیرہ کے بیانات دیکھ کر ہی فیصلہ صادر کرتے ہیں کیونکہ یہ سب قانون کا حصہ اور تقاضا ہیں۔ اس ضمن میں جہاں تک Forensic اداروں کا تعلق ہے ان کے پاس جدید ٹیکنالوجی اور آلات تک نہیں ہیں جن سے شواہد جمع کیے جاتے ہیں یہی حال پولیس کے محکمے کا بھی ہے ان کے پاس اعلیٰ تربیت کا کوئی خاطر خواہ انتظام نہیں ہے اسی لئے یہ لوگ Well Trained نہیں ہوتے جبکہ دوسری طرف دہشتگرد اور جرائم پیشہ افراد جدید اسلحہ سے لیس اور تربیت یافتہ ہوتے ہیں تبھی ہماری پولیس ان کے سامنے بے بس نظر آتی ہے۔ چیزوں کو Detect کرنا، کرائم سین سے شواہد جمع کرنا اور مجرموں کو Trace کرنا وغیرہ ان سب باتوں میں ہمارے ادارے ابھی بہت پیچھے ہیں تبھی تو مجرم با آسانی فرار ہو جاتے ہیں کیونکہ ان کمیوں کی وجہ سے عدالت میں مقدمہ اس قدر کمزور حالت میں پہنچتا ہے کہ عدالت کچھ بھی نہیں کر سکتی جیسا کہ عدالت نے تو انصاف کے تمام تر تقاضوں کو سامنے رکھ کر ہی فیصلہ دینا ہوتا ہے۔ امریکہ میں ایک 11/9 ہوا تو اس کے بعد انھوں نے اپنے ملک کی سیکیورٹی کو یقینی بنانے کے لئے اپنے نظام میں انتہائی وسیع پیمانے پر بہتری کے لئے تبدیلیاں کیں اور اتنے سخت اقدامات کئے کہ دوبارہ وہاں ایسا کوئی بڑا واقعہ نہیں ہوا یہ اور بات کہ باقی دنیا میں انھوں نے تباہی پھیلانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ ہمارے ہاں المیہ یہ ہے کہ پچھلے دس سال سے امن و امان کے اس قدر خراب صورتحال ہونے کے باوجود ان پر قابو پانے کے لئے کوئی سنجیدگی نظر نہیں آتی زبانی جمع خرچ تو بہت کیا جاتا ہے مگر عملی طور پہ جس سختی اور سنجیدگی کی ضرورت ہے وہ کہیں نہیں پائی جاتی۔

معاشرہ پر اثرات

ابھی ان وجوہات کا ذکر کیا گیا جو ہمارے عدالتی نظام کو ناکامی سے دوچار کرتی ہیں اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ ہمارا عدالتی نظام مکمل طور پہ ناکام ہے مگر مجموعی طور پر لوگوں کو انصاف کے حصول میں انتہائی مشکلات کا سامنا ہے جس کے بہت برے نتائج سامنے آ رہے ہیں مثلاً:

1 کرپشن کا شکار معاشرہ

جب مجرموں پر قانون وعدالت کی گرفت کمزور ہو جائے اور انھیں نہ تو پکڑے جانے کا خوف ہو نہ ہی سزا ملنے کا خوف باقی رہے تو وہ بے خوف ہو کر جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں۔اسی طرح دیگر بہت سی معاشرتی خرابیوں کے ساتھ کرپشن بھی ہمارے معاشرے میں کا ایک ناسور بن چکی ہے جو کہ معاشرے کو دیمک کی طرح چاٹ رہی ہے یہ برائی اوپری سطح سے لے کر نیچے کی سطح تک سرایت کر چکی ہے۔ کیونکہ جب اوپر کی سطح پر بااختیار لوگ کرپشن کرتے ہیں اور قانون کی گرفت میں بھی نہیں آتے تو پھر نچلی سطح کے لوگ بھی بے خوفی سے کرپشن کرتے ہیں جس سے عوام کا حق مارا جاتا ہے۔ برسر اقتدار طبقہ نے کرپشن کو ایک عام سی بات بنا دیا ہے جس کے بطن سے گوناگوں خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں جن میں ناجائز الاٹمنٹیں، رشوت ستانی، نااہلوں کا تقرر، سفارشیں، انتخابات میں بدعنوانیاں، قانون کی پامالی، اقرباء پروری وغیرہ شامل ہیں یہ سب کرپشن کی ہی مختلف صورتیں ہیں جو کہ معاشرتی زندگی کی ترقی میں رکاوٹ ہیں۔ کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ ہمارے معاشرے میں مقتدر اور بااختیار طبقہ اور عوام اپنے آپ کو کچھ اخلاقی حدود کا پابند سمجھتے تھے اور انھیں یہ خوف لاحق رہتا تھا کہ کہیں ان پہ کوئی الزام نہ لگ جائے اگر کسی شخص پہ بدعنوانی کا الزام لگ جاتا تو وہ سخت شرمندگی محسوس کرتا پھر تردید کر کے یا اپنی صفائی پیش کر کے اس الزام سے بری الذمّہ ہونے کی کوشش کرتا۔[4] مگر آخری دہائی میں تو کرپشن کو بطور فیشن اپنایا گیا اور اعلیٰ سطح سے لے کر ایک ادنیٰ وزیر تک سب نے کرپشن کی سرعام قومی اہمیت کے حامل اداروں میں لوٹ مار شروع کر دی گئی ریلوے کا محکمہ، پی. آئی. اے، او. جی. ڈی. سی، رینٹل پاور کے منصوبے ان سب میں وزیر اعظم سے لے کر حکومتی وزراء تک ملوث رہے۔ ان حالات میں ایک واحد امید عدلیہ تھی جو کہ ملکی دولت کو لوٹنے سے بچائے اور اس نے اپنا کردار ادا بھی کیا مگر ان سب کو سزائیں نہ مل پاتیں کیونکہ حکومتی ڈھٹائی کا یہ عالم تھا کہ وہ عدلیہ کے اس انصاف پہ بجائے شرمندہ ہو کے اپنے اندر سدھار پیدا کرنے کے سرعام عدلیہ کے کردار پہ کیچڑ اچھالنا شروع کر دیتے تھے۔ اور عدلیہ جس بھی حکومتی وزیر کو اور دوسرے اداروں کے سربراہان کو کرپشن پہ معزول کرتی حکومت ان افراد کو اور بھی بڑے عہدوں سے نوازدیتی الغرض عدلیہ کے فیصلوں کا بھرپور تمسخر اڑایا گیا جب ان افراد کا کچھ ہو نہیں پاتا تھا تو نیچے کی سطح پہ بھی لوگ نڈر ہو کے کرپشن کرنے لگے۔ حضرت علیؓ نے ایک بار حضرت عمر فاروقؓ سے فرمایا تھا کہ آپؓ خود دیانت دار ہیں اسی لئے لوگ بھی دیانت دار ہیں۔ اخلاق ایک طرح کا غیر تحریری دستور ہے بدقسمتی سے ہمارے صاحب اقتدار ان کی اکثریت نے اس کے گراف کو نیچے لے جانے میں بہت مستعدی سے اپنا حصہ ڈالا ہے کیونکہ جب اعلیٰ سطح پہ برملا کہا جائے کہ "ایفائے عہد کوئی قرآن وحدیث تو نہیں جس کی پابندی ضروری ہو" جو لوگ اخلاق کی پامالی کو جائز سمجھتے ہیں وہی قانون شکنی میں بھی آگے آگے رہتے ہیں۔ بداخلاقی، بدکلامی اور قانون شکنی، کرپشن کا یہ رجحان شجرِ خبیثہ کی طرح خوب برگ وبار لے آیا ہے جس کے نتیجے میں معاشرہ اخلاقی تباہی کے ساتھ ساتھ معاشی بدحالی کا بھی شکار ہوتا جا رہا ہے۔

2بدامنی

جب عدالتی نظام پوری طرح سے اپنے فرائض ادا نہیں کرتا تو اس ادارے کی ناکامی کے اثرات میں سے ایک بہت بڑی خرابی بدامنی کی صورت میں پیدا ہوتی ہے۔ جرائم کی شرح میں بہت زیادہ اضافہ ہو جاتا ہے اور جب عدالتوں سے سزائیں نہیں ملتیں اور مجرم بری ہو جاتے ہیں تو ان کا حوصلہ اور بڑھ جاتا ہے ایسے عناصر اور دہشتگرد افراد معاشرے کے معصوم افراد کو یرغمال بنا لیتے ہیں۔ ان حالات میں کسی کا جان، مال محفوظ نہیں رہتا تو یہ حالات مجموعی طور پر معاشرے میں امن وامان کے بگاڑ کا باعث بنتے ہیں۔ ہمارے نظام معاشرت میں امن عامہ کی صورتحال نہایت مخدوش ہے خاص طور پر 11/9 کے بعد جو برائے نام دہشت گردی کے خلاف جنگ شروع کی گئی اس میں ہمارے اس وقت کے حکمران نے اپنا سب کچھ انہیں پیش کر دیا جس میں ہر

طرح کی مدد کے ساتھ ساتھ اپنی زمین تک استعمال کرنے کا اجازت نامہ دے دیا۔ ہمارے پڑوسی ملک افغانستان کو تباہ کر دیا گیا اس جنگ کے اثرات پھر پاکستان میں بھی نظر آنا شروع ہوئے جو کہ بڑھتے بڑھتے انتہائی شدید ہوتے گئے جن میں جگہ جگہ بم دھماکے بلکہ خودکش بم دھماکوں کا خوفناک سلسلہ چل نکلا اور یہ دھماکے بازاروں، گلیوں، تفریح گاہوں، عوامی ہجوم کی جگہوں اور حتیٰ کہ مساجد اور درگاہوں میں بھی یہ ہولناک کھیل کھیلا جا رہا ہے۔ حد تو یہ ہوئی کہ غیر ملکی جاسوسی کے کاموں پہ مامور ایجنسیوں کو یہ اجازت دے دی گئی کہ ہمارے ملک میں سے ہمارے جس شہری پر انھیں کوئی شک گزرے وہ اسے پکڑ کے اپنے ساتھ لے جا سکتے ہیں پھر تاعمر اس کا کوئی اتا پتا نہ دیں انھیں کوئی نہیں پوچھے گا بلکہ ہماری اپنی ایجنسیز بھی اس کام میں ان کی مدد کریں گی۔ اس کے علاوہ انھیں اجازت دے دی گئی کہ وہ جب چاہیں ہماری سرزمین پہ ڈرون حملے کر کے بے دریغ شہریوں کا قتل عام کریں۔ جب ایک ریاست اس شرمناک نوبت کو پہنچ جائے تو ایسے میں اور بھی بیرونی دشمنوں کے ہاتھ موقع آجاتا ہے جیسا کہ انڈیا، اسرائیل نے فائدہ اٹھایا اور ہمارے ملک میں خفیہ مداخلت کرتے ہوئے صوبہ بلوچستان کے حالات کو خراب کیا اور ان حالات کے باعث پورے ملک میں دہشتگردی کی ایک لہر اٹھی جس نے پورے ملک کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ عدالتوں میں جب دہشتگردی کے مقدمات آتے ہیں تو تحفظ قائم کرنے کے ادارے پوری طرح کیس تیار کر کے نہیں لاتے پھر گواہان کو پیش کرنے کا مسئلہ، اول تو ان مقدمات میں گواہان ہوتے ہی نہیں دوسرے جو ہوتے ہیں ان کے تحفظ کا کوئی خاطر خواہ انتظام نہیں کیا جاتا تو وہ عدالت میں پیش ہی نہیں ہوتے ایسے میں عدالت ان ملزمان کو چھوڑنے کے سوا اور کیا کر سکتی ہے جس کے نتیجے میں یہ دہشتگرد مزید بے خوف ہو کر اپنی گھناؤنی کاروائیاں سرانجام دیتے ہیں۔ جب ہماری خفیہ ایجنسیز نے غیر ملکی ایجنسیز کے ساتھ مل کر اپنے شہریوں کو ان کے حوالے کرنے کا کام شروع کیا تو اس سے "لاپتہ افراد" کا معاملہ پیدا ہوا کیونکہ ان لوگوں کا کوئی ریکارڈ تو دیا نہیں جاتا تو ان کے اہل خانہ کے لئے ایک ذہنی عذاب کا سلسلہ شروع ہو گیا اور وہ حکومتی ایوانوں کے سامنے واویلا کرتے رہے مگر کسی نے نہ سنی پھر عدلیہ نے لاپتہ افراد کے مقدمات کی سماعت شروع کی مگر ان میں ایجنسیز نے عدلیہ کے ساتھ خاطر خواہ تعاون نہیں کیا تاہم کافی افراد عدالت نے بازیاب کرائے مگر بہت سی باتوں پہ عدلیہ بے بس نظر آئی۔ بہرحال یہ کام تو پھر بھی خفیہ طرح سے کیا گیا مگر ہماری ریاست میں ریمنڈ ڈیوس جیسے غیر ملکی سرعام شہریوں کا قتل کر کے باحفاظت اپنے ملک واپس جا سکتے ہیں۔ جب عدالت ان اہم امور میں بے بس نظر آئے تو ملک میں موجود دوسرے جرائم پیشہ افراد اپنی سرگرمیاں تیز کر دیتے ہیں جن میں لوٹ مار، ڈاکہ زنی، چوری، اغواء برائے تاوان اور بھتہ خوری وغیرہ شامل ہیں جب ان مجرموں کو سخت سزائیں حلقے دہشتگردی پہ اتر آئیں تو پھر کنٹرول کرنا مشکل ہو جاتا ہے مثلاً کراچی کے حالات ہمارے سامنے ہیں وہاں ایک سیاسی تنظیم جو کہ ہر بار اقتدار کا حصہ ہوتی ہے نے وہاں بھتہ خوری اور کلاشنکوف کلچر کو اپنایا ہوا ہے یہی چیز بڑھتے بڑھتے وہاں موجود دیگر سیاسی جماعتوں نے بھی اپنالی ان سب کے اپنے اپنے اسلحہ بردار گروپ ہیں جس کے باعث آئے دن فسادات و قتل غارت گری رہتی ہے۔ عدالتوں نے بہت بار نوٹسز لئے مقدمات کی سماعت کی مگر ہمیشہ حکومت کی ساری مشینری ان لوگوں کو بچانے کے لئے سرگرم عمل ہو جاتی ہے نہ تو پولیس صحیح کیس تیار کرتی ہے، نہ ادارے شواہد اکھٹا کرتے ہیں اور نہ ہی اس ماحول میں گواہان میسر آتے ہیں اگر پھر بھی ججز سماعت جاری رکھیں تو باقاعدہ عدالتوں کا گھیراؤ کر لیا جاتا ہے تو ان حالات میں ججز بھی بے بس ہو کر رہ جاتے ہیں کیونکہ عدالتوں کے پاس اپنی اسلحہ بردار فورس نہیں ہوتی ان کے پاس صرف فیصلوں کی اخلاقی طاقت ہوتی ہے مگر جب ان کے فیصلوں کو مذاق بنا دیا جائے تو عدالتیں عملی طور پر غیر فعال ہو کر رہ جاتی ہیں۔ اور یہ حالت سب سے خطرناک ہوتی ہے کیونکہ جب عدالت کی بے بسی پہ عوام کو یقین آجائے تو معاشرے میں ایک ایسی بے چینی پیدا ہو جاتی ہے جس کا نتیجہ بہت بھیانک نکل سکتا ہے جس کی ایک جھلک تب دیکھی گئی جب کراچی میں عوام نے تین ڈاکوؤں کو پکڑ کر سرعام

زدو کوب کیا اور پھر نذرِ آتش کر دیا اس المناک واقعے نے پورے ملک کے اہل دانش کو ہلا کر رکھ دیا یہ معاشرتی انتشار و فساد عدالتوں کی غیر فعالی، لاقانونیت اور اداروں کی ناکامی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔[5]

3 معاشی بدحالی

معاشی یا اقتصادی خوشحالی کا بلاواسطہ تعلق ملک کی امن عامہ کی صورتحال سے ہے جب ملک میں فتنہ، فسادات ہوں اور لوگوں کے جان، مال کی حفاظت یقینی نہ ہو تو وہاں کاروبار زندگی بالکل رک جاتا ہے معاشی سرگرمی سمیت ہر طرح کی معاشرتی سرگرمیاں رک جاتی ہیں۔ ایسی غیر یقینی صورتحالی میں لوگ اپنا سرمایہ بیرون ممالک لے جاتے ہیں اور یہ بات تو عیاں ہے کہ غیر ملکی سرمایہ کاری تو قطعی ممکن نہیں ان باتوں کا نتیجہ معاشی بدحالی کی صورت میں نکلتا ہے جس سے بے روزگاری اور غربت میں اضافہ ہوتا ہے جو کہ بذات خود جرائم میں اضافہ کا موجب ہیں۔

4 ثقافت کی تنزلی

جس نظام معاشرت میں انصاف کی فراہمی ممکن نہ رہے تو ایسا معاشرہ انتشار، تباہی کے مختلف مراحل سے گزرتا ہوا اپنی پہچان تہذیب، ثقافت کو بھی کھو دیتا ہے کیونکہ ان افراد معاشرہ میں اخلاقی برائیاں اور جرائم کی شرح اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ وہ اپنا اصل وجود تک بھلا دیتے ہیں۔ تمام اقوام اپنے کلچر، ثقافت کے فروغ کے لئے بیرون دنیا میں اپنی تہذیب متعارف کراتی ہے اور دنیا میں اپنی پہچان بناتی ہے مگر جب ملک اندرونی خلفشار کا شکار ہو اور جان، مال داؤ پر لگی ہو تو اس بات کی تو کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ عدالتوں پر اعتماد اور عدل و انصاف کی فراہمی قوموں کی ترقی کے لئے ریڑھ کی ہڈی جیسی اہمیت رکھتے ہیں جو کہ آزاد اور فعال عدلیہ سے ہی ممکن ہے۔

تجاویز و حل

معاشرہ میں عدالتی نظام کو ناکامی سے دوچار کرنے والی وجوہات اور اس کے اثرات کا جائزہ لینے کے بعد اب عدل اجتماعی کے تناظر میں ان تجاویز، حل کا جائزہ لیا جا رہا ہے جو کہ ان مسائل کو حل کر سکتی ہیں۔

1 حقیقی انصاف کا ڈھانچہ

یہ بات تو روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اسلامی نظام معاشرت کی فلاح و ترقی صرف اسلام کے تصور عدل اجتماعی کے اطلاق سے ہی ممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرامؑ کی بعثت کے مقاصد میں سے ایک مقصد دنیا میں عدل، انصاف کے قیام کو بھی قرار دیا تاکہ دنیا میں سے ظلم و جور کا خاتمہ ہو سکے ارشاد ربانی ہے: {يَا دَاوُودُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَى فَيُضِلَّكَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ إِنَّ الَّذِينَ يَضِلُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ بِمَا نَسُوا يَوْمَ الْحِسَابِ}[6] "اے داؤد! ہم نے تم کو زمین میں بادشاہ بنایا ہے تو لوگوں میں انصاف کے فیصلے کیا کرو اور خواہش کی پیروی نہ کرنا کہ وہ تمہیں اللہ کے رستے سے بھٹکا دے گی جو لوگ اللہ کے رستے سے بھٹکتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب (تیار) ہے کہ انہوں نے حساب کے دن کو بھلا دیا" مفتی محمد شفیع اس آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: حضرت داؤدؑ کو اللہ تعالیٰ نے نبوت کے ساتھ حکومت و سلطنت بھی عطا فرمائی تھی چنانچہ اس آیت میں حکومت و سیات کے لئے آپؑ کو ایک بنیادی ہدایت نامہ عطا کر دیا گیا اس ہدایت نامہ میں تین بنیادی باتیں ارشاد فرمادی گئیں۔ اول تو یہ کہ آپؑ کو زمین میں اپنا خلیفہ بنایا ہے اس سے اسلامی سیاست کا یہ اصول واضح ہو جاتا ہے کہ "اقتدار اعلیٰ اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے "زمین کے حکمران انھی کے فیصلوں کے مطابق نظام حکومت چلانے کے پابند ہیں لہٰذا مسلمانوں کا حاکم، شوریٰ یا اسمبلی اسلامی قانون کی تشریح یا تدوین تو کر سکتی ہے لیکن درحقیقت وہ واضح قانون نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے قانون کے پیش کرنے والے ہیں۔ دوسرا یہ کہ اسلامی قانون

کا بنیادی کام اقامت حق ہے حکومت پر لازم ہے کہ وہ اپنے انتظامی معاملات اور تنازعات کے تصفیہ میں حق، انصاف قائم کرے۔ اسلام ایک ابدی دین ہے، اس لئے اس نے سیات و حکمرانی کے لئے ایسے انتظامی جزئیات کی تعیین نہیں فرمائی جو حالات اور زمانے کے بدلنے سے قابل تبدیل ہو جائیں بلکہ کچھ ایسی بنیادی ہدایات فرمادی ہیں جن کی روشنی میں ہر زمانے کے مطابق انتظامی جزئیات خود طے کی جاسکتی ہیں اس لئے یہاں یہ فرمایا گیا کہ حکومت کا اصل کام اقامت حق ہے لیکن اس کی انتظامی تفصیلات ہر دور کے اہل رائے مسلمانوں پر چھوڑ دی گئی ہیں۔ اور تیسری بات یہ کہ خواہشات نفس کی پیروی نہ کی جائے اور روز حساب کو ہمیشہ پیش نظر رکھو کیونکہ یہ چیز اقامت حق کی بنیاد ہے جیسا کہ جس حاکم یا قاضی کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف اور آخرت کی فکر ہے وہی صحیح معنوں میں حق و انصاف کر سکتا ہے اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر آپ اچھے سے اچھا قانون بنالیجئے، نفس انسان دسیسہ کاریاں خود اپنا راستہ بنالیتی ہیں اور ان کی موجودگی میں کوئی بہتر سے بہتر نظام قانون حق، انصاف مہیا نہیں کر سکتا دنیا کی تاریخ اور موجودہ زمانے کے حالات اس بات کے گواہ ہیں۔ [7] یعنی اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں ریاست کے تینوں شعبوں، حکومت، سیات و انتظامیہ اور عدلیہ کے متعلق ہدایات فرمادیں۔ حکومت کا بنیادی کام اقامت حق ہے اور یہ تبھی ممکن ہے جب روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کے قانون کا نفاذ یقینی بنایا جائے گا جس سے زمین پر عدل و انصاف قائم ہو گا۔ کہ ریاست میں اسلام کے تصور عدل اجتماعی کے فلسفے کے مطابق ایسی عدلیہ کا قیام یقینی بنایا جائے جو کہ معاشرے میں عدل و انصاف مہیا کر سکیں اسلامی ریاست کے سربراہ کے لئے تو یہ بات فرض عین کا درجہ رکھتی ہے جبکہ عوام کے لئے فرض کفایہ کا درجہ رکھتی ہے۔ اس ضِمن میں اس بات کو مد نظر رکھنا انتہائی ضروری ہے کہ قانون سازی سے لے کر عدالتی نظام کے ڈھانچے کو کھڑا کرنے تک ہر بات میں عدل اجتماعی کے اصول و ضوابط کے مطابق ہر عمل سر انجام دیا جائے کیونکہ یہ نظام اپنے آپ میں اس قدر جامع، اکمل اور عین فطری ہے کہ دنیا میں موجود بقیہ تمام نظاموں میں سے کوئی بھی اس کے ساتھ تقابل کرنے کے لائق نہیں ہے۔ کیونکہ حقیقی عدل اور مکمل انصاف صرف خالق و مالک کائنات اللہ تعالیٰ کی کتاب اور نازل کردہ شریعت میں ہے جبکہ دوسری طرف انسانوں کے بنائے گئے نظام ہیں اور انسان اپنے ناقص خیالات اور وہم و گمان کی بنا پر کبھی بھی حقیقی عدل و انصاف کا ادراک نہیں کر سکتا۔ لہٰذا اسلامی تصور عدل اجتماعی کے خطوط پر محکمہ قضاء (عدلیہ) کی تشکیل و قیام نہایت ضروری ہے تاکہ وہ اسلامی نظام معاشرت میں عدل کو پھیلائے، ظلم و جور کو مٹائے، لوگوں کو ان کی حدود سے تجاوز کرنے سے روکے، حدود شریعت کی حفاظت کروائے اور اس طرح لوگوں کو قرآن و سنت کے راستے پہ چلنے کی ترغیب دے۔ جس کا عملی نمونہ عہدِ نبوی ﷺ اور خلافت راشدہ کے ادوار کی صورت میں تاریخ کا حصہ ہے۔

2 قاضی یا جج کا تقرر

چونکہ نظام قضاء کا قیام فرض کفایہ ہے اور اسلامی ریاست کی حکومت پہ یہ فرض ہے کہ وہ نظام قضاء نہایت مضبوط بنیادوں پہ استوار کرے اور اس محکمہ کے کارندوں اور قاضیوں میں وہ تمام صفات موجود ہوں جو کہ ان عہدوں کا تقاضا ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا گیا کہ امانتیں ان کے اہل افراد کے سپرد کرو، اور اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ دو اس ضِمن میں قاضی کی صفات کا تذکرہ کیا جاچکا ہے۔ جج پہ جو ذمہ داری عائد ہوتی ہے وہ بہت حسّاس نوعیت کی ہے کیونکہ ان کے ساتھ لوگوں کے حقوق و فرائض کی ادائیگی کے معاملات وابستہ ہیں ارشاد الٰہی ہے: {ثُمَّ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيَ أَحْسَنَ وَتَفْصِيلاً لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لَّعَلَّهُم بِلِقَاء رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ} [8] "(ہاں) پھر (سن لو کہ) ہم نے موسیٰ کو کتاب عنایت کی تھی تاکہ اُن لوگوں پر جو نیکوکار ہیں نعمت پوری کر دیں اور (اس میں) ہر چیز کا بیان (ہے) اور ہدایت (ہے) اور رحمت ہے تاکہ (ان کی اُمت کے) لوگ اپنے رب کے روبرو حاضر ہونے کا یقین کریں" اس آیت کریمہ سے وضاحت ہو جاتی

ہے کہ قاضی کو ہر حال میں اپنے عہدے سے انصاف کرنا چاہیئے۔ چنانچہ سرکارِ دوعالم ﷺ نے قاضی کے عہدے کے فرائض کے متعلق نہایت تاکیدی انداز میں تلقین فرمائی اول تو یہ کہ قابل اشخاص کو یہ عہدہ دیا جائے پھر اس کی دیگر صفات کے متعلق فرماتے ہیں کہ وہ خائن نہ ہو، عادل ہو، سچا ہو اور نیک شہرت کا حامل ہو۔ فرمایا:(ثلاثة لا ترد دعوتهم الصّائم حين يفطر والامام العادل والمظلوم)[9] "تین اشخاص کی دعائیں رد نہیں کی جاتیں روزے دار کی بوقت افطار، منصف حاکم کی اور مظلوم کی"
عدل اجتماعی کے فلسفے کی رو سے اقامتِ عدل در حقیقت اقامتِ دین ہی ہے یعنی اسلام سراپا عدل ہی عدل ہے اس لئے اس کے تمام شعبوں کے بارے میں تفصیلی احکامات دیئے اور حضور نبی کریم ﷺ نے اس کا عملی نمونہ بھی دکھایا جس کو بعد میں خلفائے راشدین نے جاری رکھا۔ قاضی کے اوصاف و فرائض پر تو بات ہو چکی اب ضرورت اس امر کی ہے کہ قاضیوں کا تقرر خالصتاً اسلامی تعلیمات کی بنا پر ہونا چاہیئے اور ان کے فرائض کی ادائیگی بھی اسی طرز پہ ہونی چاہیئے۔ پس حکومت کا فرض ہے کہ وہ تمام حکومتی عہدوں کی طرح قاضی کا عہدہ بھی مستحق لوگوں کو دے جو کہ اپنی دیانت، صداقت، صلاحیت کار، استعداد، قابلیت اور کردار میں لوگوں میں سے بہتر ہوں۔ ان بنیادوں پہ عہدہ سنبھالنے والے ججز حضرات ہی فرائض کی انجام دہی کریں گے اور حقیقی عدل کا قیام ممکن ہو سکے گا جس کی ایک مثال سعودی عرب کا عدالتی نظام ہے کہ جہاں قاضی اپنے فرائض کی ادائیگی میں اتنا ہی آزاد اور با اختیار ہے جتنا اسلام کے ابتدائی ادوار میں تھا۔

3 انصاف سب کے لئے یکساں

اسلام کے تصور عدل اجتماعی کے بنیادی تخصص کے مطابق اسلامی قانون کی نظر میں تمام بنی نوع انسان یکساں ہیں اور اس میں کسی بھی قسم کی کوئی تفریق نہیں ہے مسلم، غیر مسلم سب انصاف کی فراہمی میں یکساں ہیں نہ تو کوئی مذہبی تفریق اور نہ ہی علاقائی، لسانی تفریقات کو اس میں کچھ عمل حاصل ہے۔ اسلامی نظام معاشرت میں عدالت کی نظر میں مومن، کافر و بادشاہ، غلام وامیر، غریب و آقا، مزدور سب برابر ہیں اور کسی کو بھی کوئی استثنائی پوزیشن حاصل نہیں ہے ارشاد ربانی ہے: {وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ أَهْوَاءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ وَمَن فِيهِنَّ بَلْ أَتَيْنَاهُم بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَن ذِكْرِهِم مُّعْرِضُونَ}[10] "اور اگر (اللہ) برحق ان کی خواہشوں پر چلے تو آسمان اور زمین اور جو ان میں ہیں سب درہم برہم ہو جائیں، بلکہ ہم نے ان کے پاس ان کی نصیحت (کی کتاب) پہنچا دی ہے اور اپنی (کتاب) نصیحت سے منہ پھیر رہے ہیں" سیّد مودودی اس آیت مبارکہ کی تفسیر کے متعلق کہتے ہیں کہ اس مختصر سے جملے میں ایک بڑی بات کہی گئی ہے دنیا میں بالعموم نادان لوگوں کی یہ روش ہوتی ہے کہ اگر کوئی ان سے حق بات کہے تو وہ ناراض ہو جاتے ہیں ان کا مطمع نظر صرف اتنا ہوتا ہے کہ بات ان کی خواہش کے مطابق کی جائے نہ کہ حقیقت اور واقعہ کے مطابق کی جائے۔ حالانکہ ہوتا وہی ہے جو منشاء خداوندی ہوتی ہے کائنات کا یہ عظیم الشان نظام انھی اٹل حقائق اور قوانین پر مبنی ہے۔[11] یعنی اللہ تعالیٰ کے قانون کے نفاذ میں کسی بھی قسم کی دنیاوی تفریق یا جاہ و حشمت کو مد نظر نہیں رکھنا چاہیئے۔ جو لوگ اس قانون کی مخالفت کرتے ہیں انھیں اللہ تعالیٰ زلیل لوگوں میں شمار کرتے ہیں ارشاد ربانی ہے: {إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُوْلَئِكَ فِي الأَذَلِّينَ}[12] "یقیناً زلیل ترین لوگوں میں سے ہیں وہ لوگ جو کہ اللہ تعالیٰ اور ان کے رسول ﷺ سے مقابلہ کرتے ہیں" عہدِ نبوی ﷺ میں قبیلہ بنو مخزوم کی عورت کا چوری کرنے کا معاملہ ایک واضح دلیل ہے اور اس پہ آپ ﷺ نے جا تاریخی کلمات ادا فرمائے تھے ان میں اسلامی عدل کو جیسے سمو دیا ہو فرماتے ہیں کہ "تم سے پہلے کی اقوام اس لئے تباہ کر دی گئیں کہ وہ اپنے میں سے بڑوں (با اثر افراد) کو جرم کرنے پہ چھوڑ دیا کرتی تھیں جبکہ چھوٹوں (کمزور افراد) کو سزائیں دیا کرتی تھیں مزید یہ کہ اگر یہ چوری میری بیٹی فاطمہؓ کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹنے کا بھی حکم دیتا" اس ایک واقعے نے تا قیامت ایک اصول متعین کر دیا کہ تمام بنی نوع انسان کے لئے انصاف بلا تفریق یکساں بنیادوں پہ مہیا کیا جائے گا

اسی میں انسانیت کی بہتری و بھلائی ہے۔جب اس اصول کا اطلاق ہو گا تو کسی کے لئے بھی جرم کرنا آسان نہیں رہے گا نہ ہی کوئی دیدہ دلیری سے مظالم ڈھا سکتا ہے۔

4 آزاد اور خود مختار عدلیہ

عدل اجتماعی کے تصور کے مطابق جو عدالت قائم ہوتی ہے وہ اپنے پیشہ وارانہ فرائض میں مکمل طور پہ آزاد اور خود مختار ہے اس پر کسی ریاستی ادارے کا بالواسطہ یا بلاواسطہ کوئی اثر ورسوخ نہیں ہے۔ قاضی جو بھی فیصلہ دے وہ حاکمِ وقت کے اثر سے آزاد ہے اگر خلیفہ یا حاکمِ وقت کسی فیصلے پر مجبور کرے یا محض نظرِ ثانی کا حکم دے تو قاضی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ خلیفہ کے حکم کو مسترد کر دے کہا گیا کہ "قاضی جب کسی مقدمہ میں کوئی فیصلہ کر چکے تو اس کے بعد سلطان اسے حکم دے کہ وہ اس مقدمے کی دوبارہ سماعت علماء کے سامنے کرے تو قاضی کے لئے اس کا حکم ماننا ضروری نہیں"۔اسلامی عدالت میں قاضی اپنے دائرہ اختیارات میں یہاں تک آزاد ہے کہ اگر کسی مقدمے میں ضرورت پڑے تو وہ خلیفہ وقت یعنی حاکم وقت کو بھی اپنی عدالت میں طلب کر سکتا ہے جس کی مثالیں خلافت راشدہ کے ادوار میں ملتی ہیں حضرت عمر فاروقؓ دو مرتبہ اور حضرت علیؓ بھی عدالت میں پیش ہوئے تھے جبکہ یہ حضرات تب خلیفہ تھے۔اور حضرت علیؓ کے مقدمے میں تو گواہان کا معیار پورا نہ ہونے کے باعث فیصلہ ان کے خلاف دے دیا گیا تھا۔ اس سے زیادہ عدالت کی آزادی اور تقدس کی اور کیا مثال ہو سکتی ہے۔اگر آج بھی عدالت اسی طرز پہ اپنے فرائض سے عہدہ بر آ ہونے لگے اور حکومت بھی اسی قدر ان کا احترام کرے تو کوئی وجہ نہیں کی ملک میں امن عامہ کی صورتحال یکسر مختلف نظر نہ آئے کیونکہ جب عدالت کا اس قدر احترام ہو گا کہ حاکم وقت بھی حکم عدولی نہیں کر سکتا تو پھر ریاست کے باقی ادارے ان سے مراد انتظامیہ کے با اختیار ادارے پولیس، اور عوام کو تحفظ فراہم کرنے والے ادارے اور ایجنسیز وغیرہ شامل ہیں یہ سب اپنی ذمہ داریاں درست انداز میں نبھائیں گے تبھی تو عدالت بھی صحیح انصاف کرنے کے قابل ہو سکے گی جس سے ملک میں لاقانونیت کا دور دورہ ختم ہو سکے گا۔علاوہ ازیں ملک میں اور بھی جو قومی ادارے ہیں وہ بھی اپنے اپنے فرائض کے پابند ہوں گے کسی بھی قسم کی مالی بدعنوانی کرنے سے پہلے ہزار بار سوچیں گے کہ اگر قانون کی گرفت میں آ گئے تو پھر انھیں کوئی بھی بچا نہیں سکے گا یہ احساس ملکی دولت کو لٹنے سے بچائے گا اور معاشرے میں سے معاشی بدحالی کا خاتمہ ممکن ہو سکے گا۔عدالتی نظام کی درستگی کے مثبت اور صحتمندانہ اثرات معاشرے کے ہر شعبہ زندگی میں نظر آئیں گے حاکم وقت سے لے کر ایک ادنیٰ دکاندار تک کے دل میں یہ خوف ہو گا کہ ان کے کسی بھی غلط اقدام پہ وہ قانون کی گرفت میں آ سکتے ہیں اور قانون بھی وہ جو کہ اٹل ہے۔ مقنّنہ اگر کوئی ایسا قانون پاس کر دے جو کہ قرآن و سنت کی روح کے خلاف ہو تو کوئی بھی شہری عدالت میں یہ معاملہ اٹھا سکتا ہے کیونکہ قانون کی تشریح و تعبیر کا فیصلہ کرنے کی مجاز عدالت ہے اور وہ ایسے کسی بھی قانون کو جو کہ قرآن و سنت سے ٹکراتا ہوا ختم کر سکتی ہے۔ارشادِ الٰہی ہے: {اعْدِلُواْ هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى} [13] "عدل تقویٰ کے قریب ہے" جب ایک دفعہ اعلان ہو جائے کہ کسی مملکت میں اقتدار اعلیٰ اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے تو اس مملکت کی عدالتوں کو خود بخود یہ اختیار حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے فیصلے اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قوانین کے مطابق کریں اس ضِمن میں وہ اتنی با اختیار اور آزاد ہوتی ہیں کہ انھیں اس سلسلے میں کسی بھی دیگر مقتدر و با اختیار ادارہ کے احکامات کو ماننے کی پابند نہیں چونکہ عدلیہ ہی اسلامی مملکت کے قوانین کا نفاذ کرتی ہے اس لئے یہ حکم عدلیہ کے لئے ہی ہے: { وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللّهُ فَأُوْلَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ } [14] "اور جو اللہ کے نازل کئے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے گا تو ایسے لوگ نافرمان ہیں"

5 بے مثال تحریکی نظام

عدل اجتماعی کے فلسفے کی رو سے جس قسم کا عدالتی نظام قائم ہوتا ہے وہ اپنے آپ میں ہی ایک اعلیٰ اور درخشندہ مثال ہے کیونکہ یہ عدل وانصاف کی فراہمی میں ایک مکمل اور جامع نظام ہے۔ اور یہ بنی نوع انسان کو ایسا عدل فراہم کرتا ہے جو کہ ہر پہلو سے مبنی بر انصاف اور مکمل ہے اس طرح کے عدالتی نظام کی مثال دنیا کے اور کسی خطے کے مذہب یا تہذیب میں نہیں ملتی۔ یہ عدل وانصاف کا ایک ایسا نظام ہے جو کہ اگر صحیح معنوں میں نافذ ہو جائے تو باقی دنیا کے لئے بھی ایک ترغیب کا باعث بنتا ہے جس سے انھیں اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے قوانین و نظام کی حکمت سمجھ میں آتی ہے اور وہ اسلام کی طرف اپنا میلان پاتے ہیں اور اسی قسم کے واقعات سے ہماری اسلامی تاریخ بھری پڑی ہے عدلِ فاروقی کسی سے ڈھکا چھپا نہیں ہے۔

6 عالمی امن کا قیام

امن کا حصول اور قیام عدل کا تصور دنیا کے بیشتر مذاہب میں کسی نہ کسی حوالہ سے ایک بنیادی مسئلہ اور ایک مشترکہ خواہش کی شکل میں موجود نظر آتی ہے۔ امن کا عمل اور امن کے لئے اقدامات، بالعموم تنازعات کے پرامن تصفیے، اجتماعی سلامتی کی فکر، تخفیف اسلحہ، پیشگی احتیاطی سفارتکاری اور عملیت پسندی سے وابستہ ہوتے ہیں۔ جھگڑے اور نااتفاقیاں خواہ وہ سیاسی و معاشی ہوں یا نظریاتی عام طور پر یا تو طاقت، اختیار سے طے پاتے ہیں یا پھر مذاکرات سے یعنی ذہنی صلاحیت، ثالثی، روبرو معاملات اور مکالمے سے طے پاتے ہیں چنانچہ امن کے لئے کیے جانے والے اقدامات اس مقصد کی خاطر افہام و تفہیم کے مواقع فراہم کرتے ہیں۔[15] مگر آج کی دنیا وطیرہ اور طریقہ کار کچھ اور ہی طرز کا ہے اس وقت دنیا کی جو بڑی طاقتیں ہیں جن میں امریکہ سر فہرست ہے جس نے دنیا میں ایک ہی اصول لاگو کر رکھا ہے "جس کی لاٹھی اس کی بھینس" یعنی جو بھی طاقتور ہے وہ اپنے مقاصد کی خاطر کمزور کی ہستی مٹا دے اور مستزاد یہ کہ بظاہر اپنے آپ کو نہایت تہذیب یافتہ اور پڑھے لکھے انسان دوست کی حیثیت میں پیش کیا جائے یعنی کہ حد درجہ منافقت کا مظاہرہ کیا جائے۔ ان طاقتوں کی جو اندھیر نگری ہے اس پہ کوئی گرفت کرنے والا نہیں ہے کیونکہ یہ طاقتیں مضبوط معیشتیں رکھتی ہیں اور دنیا کے جدید اور خطرناک ترین ہتھیاروں سے لیس ہیں لہٰذا تمام عالمی مالیاتی ادارے آئی. ایم. ایف، ورلڈ بنک اور بڑی بڑی کمپنیز ان کے قبضے میں ہیں۔ عالمی امن کے قیام کا ادارہ اقوام متحدہ پر بھی اپنی گرفت مضبوط کر رکھی ہے وہاں ویٹو کا حق استعمال کر کے دنیا بھر میں مظالم کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ ان کی حرص و ہوس کی کوئی انتہا نہیں ہے نظریاتی بنیاد پہ انھیں صرف ایک قوت "اسلام" سے ڈر لگتا ہے جس مضبوط نظریات اور ٹھوس نظام کے سامنے اپنے آپ کو بے بس پاتے ہیں اسلام بذاتِ خود تو مکمل و مضبوط نظریہ حیات ہے مگر المیہ تو یہ ہے کہ اس کے ماننے اور جاننے والے مسلمان عملی طور پہ اس سے دور ہیں جس کے باعث کمزور ہیں لہٰذا اب دنیا بھر میں انھیں یہ بڑی طاقتیں نشانہ بنا رہی ہیں۔ اول تو جہاں کہیں بھی مسلمانوں پہ مظالم ہو رہے ہیں مثلاً مقبوضہ کشمیر اور فلسطین وغیرہ تو ان غاصبوں کے بارے میں کبھی اس انسان دوست طاقتوں نے کوئی مذمتی آواز نہیں اٹھائی بلکہ خود دنیا بھر میں ایک منصوبہ بندی کے تحت مسلمانوں کو نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ اب اس مغربی سامراج نے ایک نیا طریقہ نکالا جہاں کہیں بھی مذہب سے گہری وابستگی پائی جائے ان افراد کو "انتہا پسند اور دہشتگرد" قرار دے دیا جاتا ہے یعنی ایسے اشخاص کو تشدد، دہشتگردی اور خونریزی کو رواج دینے کا ملزم ٹھہرایا جاتا ہے اس بنیاد پر دنیا بھر کے مسلمانوں پہ زندگی کا دائرہ تنگ کیا جا رہا ہے۔ دنیا بھر کے امن کے ٹھیکیدار امریکہ نے دہشتگردی کے خلاف جنگ نام نہاد جنگ شروع کر رکھی ہے پہلے تو خطرناک جوہری ہتھیاروں کا بہانہ بنا کر ایک اسلامی ملک عراق پہ حملہ کر دیا اور معصوم لوگوں کا قتل عام کرتے ہوئے سارے ملک میں تباہی پھیلا دی گئی آخر میں پتہ چلا کہ وہاں ایسے کوئی خطرناک ہتھیار موجود نہیں تھے تو ملتے کیسے ہاں مگر "تیل" ضرور ملا جس کے لئے یہ سب فساد پھیلایا گیا۔ پھر 11/9 کے بعد ہمارے ہمسایہ ملک افغانستان میں دہشتگردوں کی موجودگی کا بہانہ کر کے حملہ کر دیا گیا جس میں امریکہ نے دنیا کی اور بھی طاقتوں کو شامل کیا اور ان کی افواج

بھی شامل ہو گئیں پھر ان نام نہاد تہذیب یافتہ لوگوں نے وہاں وحشت و بربریت کا بد ترین مظاہرہ کیا گیا اور "گوانتاناموبے" جیسی بد ترین جیل امریکہ میں بنائی گئی اور وہاں اس تہذیب یافتہ اور انسانی حقوق کی علمبر دار قوم نے ایسے انسانیت سوز اور شر مناک مظالم روا رکھے جن کی مثال نہ تو پتھر کے دور میں ملتی ہے نہ ہی جنگلوں میں جانور ایسا کر سکتے ہیں جس پہ تاریخ ہمیشہ شر مندہ رہے گی اور وحشت کا یہ بازار آج بھی گرم ہے۔ اور واحد مسلمان ایٹمی طاقت پاکستان کو اس نام نہاد جنگ میں کچھ اس طرح پھنسایا دیا گیا کہ آج ہمارے گلی کوچوں میں خون بہ رہا ہے۔ دنیا بھر میں دہشتگردی کے موضوع پر مباحث جاری ہیں اور معصوم و بے گناہ افراد اس بات پہ پریشان ہیں کہ کیسے اس عفریت سے نجات حاصل کی جائے۔ اس سب کا حل اسلام میں ہے جو کہ دین فطرت ہے اور نظریاتی و عملی بنیادوں پہ سب سے زیادہ مضبوط اور کامل دین ہے۔ اسلامی نظام حیات کے بنیادی تخصص عدل اجتماعی کے فلسفے میں وہ تمام اصول و ضوابط ہیں جو کہ عالمگیریت کی فلاح پر مبنی ہیں اور تمام بنی نوع انسان کو بلا تفریق مذہب، رنگ، نسل اور زبان کے پر امن ماحول فراہم کرتے ہیں۔ عدل اجتماعی زندگی کے تمام شعبوں کے بارے میں اپنے تخصصات رکھتا ہے مثلاً توحید، عدل و توازن، معاشرتی اور معاشی عدل، سیاسی آزادی و حریت، معقولیت پر مبنی رویہ، حرمت نسل، رواداری اور مذہبی کثریت اور عدل و انصاف کی بالادستی ایسے اصول و ضوابط ہیں جو کہ عالمی امن کے قیام کے ضامن ہیں۔ عدل و انصاف کی بالادستی کے متعلق ڈاکٹر محمود احمد غازی لکھتے ہیں: یہ اصول اسلامی شریعت کی آفاقیت اور عالمگیریت کا ثبوت ہے عالمی امن اور عدل اس وقت صحیح معنوں میں قائم ہو سکتا ہے جب اس کی بنیاد یہ آفاقی اور عالمی اصول ہوں جو کسی خطے و قوم یا نسل کی بنیاد پر وجود میں نہ آئے ہوں۔[16] عدل اجتماعی کے یہ پہلو جو اس کے نظام عدل کے پورے مفہوم کا خلاصہ ہیں صرف مسلمانوں یا کسی خاص وقت اور مقام کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں یہ آفاقی اور اخلاقی اصول ہیں جو امن، باہمی مفاہمت اور تعاون کی جانب سے رہنمائی کرنے والے عالمی مکالمے کے لئے ٹھوس بنیاد فراہم کرتے ہیں۔ یہ اصول تہذیبی کثریت پر مبنی ایک عالمی، اخلاقی نظام تعمیر کرنے کے لئے بنیادیں فراہم کرتے ہیں ان اصولوں کا نفاذ نہ صرف مسلم معاشروں میں بلکہ غیر مسلم معاشروں میں بھی کیا جا سکتا ہے ضرورت اس امر کی ہے کہ ان اصولوں پہ یقین رکھنے والی ایک جماعت وجود میں آئے جس کی اخلاقی قوت کا یہ اصل سرمایہ ہوں یہ جماعت چاہے تعداد میں محدود ہو اپنی اثر انگیزی کے لحاظ سے ایک انقلابی کردار ادا کر سکتی ہے اور عدل و امن سے محروم انسانیت کو نیا حوصلہ اور عزم دے کر ایک روشن مستقبل کی تعمیر میں کامیاب ہو سکتی ہے۔

خلاصۂ بحث

اس بحث کو سمیٹتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے عصر حاضر کا سب سے اہم اور حساس مسئلہ عدل اجتماعی کا نہ ہونا ہے قومی اور بین الاقوامی سطح پر اس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔ آج پوری دنیا لاقانونیت اور دہشت گردی کی لپیٹ میں ہے۔ ہر جگہ امن عامہ کے قیام پر کروڑوں کا سرمایہ اٹھ رہا ہے لیکن اس کے باوجود انسانی خون کی ارزانی میں کمی نہیں آئی اس کی وجہ سوائے اس کے اور کوئی نہیں کہ انسان اس حوالے سے آسمانی رہنمائی کو چھوڑ کر سارے فیصلے اور منصوبے عقلی رہنمائی پہ کرتا ہے لہٰذا اس میں ہر قسم کے تعصبات شامل ہو جاتے ہیں جو کہ ناانصافی کو فروغ دیتے ہیں جن کے بھیانک نتائج سے دنیا دوچار ہے۔ اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جو اپنے پیروکاروں کو حکم دیتا ہے کہ اپنی پوری زندگی میں، اپنی سوچ میں، اپنے اخلاق میں، اپنی فکر میں، تعلقات میں، معاملات میں، ہر دائرے میں حتیٰ کہ منہ سے بات نکلے تو انصاف کی نکلے، کام کرے تو انصاف کا کام کرے، کسی کا حق ہو تو اس کو پورے کا پورا ادا کرے اور کسی پر فرض عائد ہوتا ہے تو وہ بھی پورا ادا کرے، اپنے حق سے زیادہ لینے کی کوشش نہ کرے اور دوسرے کو اس کے حق سے کم دینے کی کوشش نہ کرے۔ بے لاگ عدل کی فراہمی، عدالتوں کو حق و صداقت کی راہ پہ گامزن رکھنے اور عدل اجتماعی کے اسلامی تقاضوں کے تحت عہدِ رسالت ﷺ اور عہدِ صدیقیؓ کے اصولوں کو جس طرح

تفصیل کے ساتھ حضرت عمرؓ نے ایک لائحہ عمل کی صورت میں مرتب کر دیا تھا۔ اگر ان پر عمل نہیں کیا جائے گا تو عدل و انصاف کا حق ادا نہیں ہو سکتا عصر حاضر کی عدالتیں اس لائحہ عمل پر عمل پیرا ہو کے روح قرآنی کو قبول کر لیں تو آج بھی دنیا کو عدل و انصاف حاصل ہو سکتا ہے۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلامی نظام معاشرت میں عدل اجتماعی کے اس کی روح کے مطابق اطلاق کو یقینی بنایا جائے کیونکہ اس کے مکمل اطلاق میں ہی معاشرے کی اجتماعی بقاء اور فلاح مضمر ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "جس قوم میں ظلم، جھوٹ اور بد دیانتی عام ہو جائے ایسی قوم اللہ تعالیٰ کی نظروں سے گر جاتی ہے اور جس قوم میں عدل، صداقت اور دیانت پائی جائے ایسی قوم (خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم) ہر حال میں عزت پا کے رہتی ہے"۔

اس موضوع کے متعلق مزید تحقیق کے لئے مندرجہ ذیل نکات زیر بحث لائے جا سکتے ہیں: عدل اجتماعی کی اطلاقی نوعیتوں پر بحث کی جا سکتی ہے اس ضمن میں معاشرے کے چار بنیادی عناصر کو زیر بحث لایا جا سکتا ہے مثلاً معاشرتی، معاشی، قانونی و انتظامی، عدالتی نوعیت پر عدل اجتماعی کی اطلاقی صورتوں کا جائزہ لیا جا سکتا ہے۔ عصری تناظر میں عدل اجتماعی کے ناپید ہونے کی بنا پر اطلاقی نوعیتوں کے عدم استحکام، اضمحلال کا جائزہ لیا جا سکتا ہے کہ معاشرے میں اس کے عدم وجود کے باعث کس طرح کے منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں مثلاً ان اثرات میں عدالتی نقائص کے ساتھ معاشی پسماندگی، قانونی و انتظامی نقائص وغیرہ شامل ہیں۔ منفی اثرات کو ختم کرنے کے لئے عدل اجتماعی کے تناظر میں اسلامی نظام معاشرت کے ان تخصصات کو زیر بحث لایا جا سکتا ہے کہ جن کے عملی اطلاق کی صورت میں معاشرہ ترقی و فلاح کی راہ پر گامزن ہو سکتا ہے۔

References

[1]Al-Ghāfir40:22.

[2]Justice Tanzīl al-Rahmān, *Majmū ʻah Qawānīn-e-Islam* (Islamabad: Idārah Tehqīqāt-e-Islāmī, 1976), 835-836.

[3]Al-Nisā'4:58

[4]Dr.Rafīy' al-Dīn Hāshmī, *Pastī kā Kūī Had se Guzarnā Dekhey: Māhnāmah Tarjumān al-Qurān* (March 2010).

[5]Dr. Anīs Ahmad, *Insān Sūzī Inteqām yā 'Adal: Māhnāmah Tarjumān al-Qurān* (June 2008).

[6]Al-Sad 38:26.

[7]Muftī Muhammad Shafī', *Ma'ārif al-Qurān* (Karachi: Idārah al-Ma'ārīf, 1983), 7:507-508.

[8]Al-In'ām 6:154.

[9]Imām Abī Abdullāh Muhammad Ibn Ismā'īl al-Bukhārī, *Ṣaḥīḥ al-Bukhārī* (Damascus: Dār Ibn Kasīr, 1990), Ḥadīth no: 4900, 4:769.

[10]Al-Mū'minūn 23:71.

[11]Syed Mawlānā Abū al-Ā'lā Mūwdūdī, *Tafhīm al-Qurān* (Lahore: Idarāh Tarjumān al-Qurān, 1996), 3:291.

[12]Al-Mojādilah 58:20.

[13]Al-Mā'idah 5:8.

[14]Al-Mā'idah 5:47.

[15]Dr. Anīs, *'Ālmī Amn-o-Insāf: Islāmī Tanāzur mein,* (2005).

[16]Dr. Mahmūd Ahmad Ghāzī, Islām kā Qānūn Bain al-Mumālik (Islamabad: Shariy'a Academy International Islamic University), 209-210.